محترمہ جمیلہ شوکت

محمود بن عمر زمخشری

ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ زمخشری خوارزم کی ایک بستی زمخشر میں ۴۶۷ھ کو ایک متدین اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کی عمر کو پہنچے تو والد نے غربت و افلاس اور کثیر العیال ہونے کے باوجود طلب علم کے لیے گاؤں سے دُور بخارا بھیج دیا۔ ان دنوں بخارا ایک علم پرور شخصیت نظام الملک طوسی کی سرپرستی اور علم دوستی کی وجہ سے مرجع خلائق تھا۔ سیاسی حالات نامساعد تھے۔ زمخشری کے والد بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر اسیر ہوئے اور دوران اسیری ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ والدہ غالباً کچھ عرصہ پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں۔ زمخشری نے ان حالات کا بڑی ہمت اور استقلال سے مقابلہ کیا اور حصولِ علم میں ہمہ تن مصروف رہے۔ مختلف علاقوں کے سفر کیے اور اہل علما سے استفادہ کیا۔ حتّٰی کہ تمام مروجہ علوم میں دسترس حاصل کی۔ دنیائے علم وادب میں بڑا نام پیدا کیا اور علمِ معانی و بیان میں امام تسلیم کیے گئے[1]

زمخشری عقیدہ کے اعتبار سے معتزلی تھے اور اس رنگ کی پختگی میں ان کے استاد محمود بن جریر الضبی (م ۵۰۷ھ) کا ہاتھ تھا جنھوں نے اہل خوارزم اور بالخصوص اپنے شاگردوں میں اس مذہب کی خوب اشاعت کی۔ حتّٰی کہ بقول جوینی لفظ خوارزمی اور معتزلی مترادف طور پر استعمال ہونے لگے[2] زمخشری عقیدۂ اعتزال میں بڑے متشدد تھے اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ ابنِ خلکان کا قول ہے کہ جب وہ کسی سے ملاقات کے لیے جاتے تو کہلا بھیجتے: قل له ابوالقاسم المعتزلی بباب[3]

---

[1] وفیات الاعیان، ابن خلکان، ۴: ۲۵۹، قاہرہ ۱۹۴۸ء — شذرات الذہب، ۴: ۱۱۸، ۱۲۱ — کحیلہ قدسی معجم المولفین، ۱۲: ۱۸۶ — الاعلام، ۸: ۵۵ — الزمخشری فی تفسیر القرآن، ۲۳-۲۴

[2] الزمخشری فی التفسیر: صاوی الجوینی، ۲۷، ۲۸

[3] وفیات الاعیان، ۴: ۲۵۸

(جاکر کہو کہ ابوالقاسم معتزلی ملاقات کے لیے آیا ہے)۔ طاش کبری زادہ کا قول ہے: کان معتزلیا قویا فی مذھبہ مفتخرا بہ[۴] (معتزلی تھے، اپنے مذہب میں بڑے سخت تھے اور اس پر فخر کرتے تھے)۔

علامہ زمخشری تمام متداول علوم مثلاً علمِ تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، نحو، معانی و بیان وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور دور و نزدیک سے لوگ ان کے پاس استفادہ کے لیے آتے تھے۔ ابن خلکان کہتے ہیں: کان امام عصرہ من غیر مدافع تشد الیہ الرحال[۵] (بلاشبہ وہ علوم میں اپنے دور کے امام تھے، لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے)۔ طاش کبری زادہ ان کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: کان واسع العلم کثیر الفضل غایۃ فی الذکاء[۶] (وہ وسیع العلم، کثیر الفضل اور بڑے ذکی تھے)۔ سمعانی کا کہنا ہے کہ وہ ادبیات کے ماہر، علوم عربیہ کے علامہ اور نہایت فاضل تھے[۷] علم معانی و بیان میں ان کے مقام کا اعتراف کرتے ہوئے حاجی خلیفہ فرماتے ہیں کہ بالخصوص علوم قرآن اور بیان و معانی میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا[۸] سمعانی اور علامہ ابن خلدون کے اقوال بھی اسی قسم کے ہیں۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ مفسرین میں سب سے پہلے زمخشری نے علم نحو و بلاغت کی طرف پوری توجہ دی[۱۰] یاقوت حموی کا قول ہے کہ وہ تفسیر، نحو، لغت اور ادب کے جلیل القدر عالم تھے۔ علاوہ ازیں مختلف علوم میں وہ نہایت اونچے مرتبے کے فاضل تھے[۱۱] حافظ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ زمخشری فنونِ بلاغت اور کلام میں بدرجہ غایت معلومات رکھتے تھے۔ واما التفسیر فقد اولع الناس بہ[۱۲]

علامہ زمخشری نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تالیف کیں جن میں ان کی تفسیر "الکشاف"

---

۴ مفتاح السعادۃ، ۱: ۴۳۱ — ۵ وفیات الاعیان، ۴: ۲۵۴

۶ مفتاح السعادۃ، ۱: ۴۳۱ — ۷ طبقات المفسرین۔ سیوطی، ۴۱

۸ کشف الظنون، ۲: ۱۴۷۵۔ استانبول ۱۹۴۳ء — ۹ طبقات المفسرین، ۴۱

۱۰ مقدمہ ابن خلدون، ۵۵۳ مطبوعہ مصطفیٰ محمد، مصر

۱۱ معجم الادبا۔ یاقوت حموی، ۱۹، ۱۲۶ مطبوعہ دار المامون، مصر

۱۲ لسان المیزان۔ ابن حجر، ۲: ۴

کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ابنِ خلکان کہتے ہیں کہ تفسیرِ قرآن میں کشاف ان کی نئے اسلوب کی کتاب ہے، اس سے پہلے اس قسم کی کتاب نہیں لکھی گئی [۱۳]

نمایاں علمی خدمات سرانجام دینے کے بعد دنیائے علم وادب کا یہ امام ۵۳۸ھ کو بمقام جرجانیہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا [۱۴]

اس مختصر مضمون میں علامہ زمخشری کی تفسیر، اندازِ تفسیر اور ان کی تفسیر کی بعض خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا۔ علامہ زمخشری کی تفسیر "الکشاف" کو ہر دور کے اہلِ علم نے سراہا ہے، اس کے نحوی، لغوی اور ادبی محاسن کی تعریف کی ہے اور اسے عمدہ ترین تفسیروں میں شمار کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ علما نے اس کی بعض فاش لغزشوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمخشری نے قرآنِ حکیم کی یہ تفسیر اپنے عقیدۂ اعتزال کی روشنی میں سپردِ قلم کی ہے اور اس میں بڑے غلو اور شدت کا اظہار کیا ہے [۱۵]

ابو حیان اندلسی (م ۷۴۵ھ) ان کی تفسیر کے فنی محاسن کے معترف ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ قاری کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس میں جو بدعات مضمر ہیں ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے [۱۶]

ابنِ تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: بعض تفاسیر ایسی بھی ہیں جن کی فصیح و بلیغ عبارت کے پردے میں بدعات پوشیدہ ہوتی ہیں لیکن لوگ ایسی باطل تفاسیر کے اثرات سے غافل ہوتے ہیں۔ ایسی ہی ایک تفسیر "کشاف" ہے جو لوگوں میں رائج ہو گئی اور لوگ اس کی فصاحت کے پردے میں بدعت سے غافل رہے [۱۷]

علامہ ابن خلدون کشاف کی اہمیت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: زمخشری اپنے مسلک کے حق میں بیان دیتے وقت جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محققین اہلِ سنت ان کی تفسیر سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اس تفسیر سے صرف وہ شخص استفادہ

---

۱۳ وفیات الاعیان، ۲: ۲۵۴

۱۴ الاعلام، ۸: ۵۵۔ مقام وفات خوارزم مذکور ہے۔ نزہۃ الالباء فی طبقات الادباء، ۴۷۲

۱۵ کشف الظنون، ۲: ۱۴۸۳

۱۶ البحر المحیط - ابن حیان، ۷: ۸۵

۱۷ مقدمۃ فی اصول التفسیر - ابن تیمیہ، ص ۲۱

کرے جو اس میں مضر خطرات و بدعات سے باخبر ہو اور ان سے محفوظ و مصئون رہ سکتا ہو[۱۸]

تفسیر الکشاف

علامہ زمخشری کی تفسیر کا پورا نام الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ہے۔ تفسیر کی تالیف کا آغاز ۵۲۶ھ میں خانہ کعبہ کے جوار میں کیا اور ۵۲۸ھ میں اسے مکمل کیا[۱۹] سبب تالیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: علمائے معتزلہ مجھ سے قرآن کی بعض آیات کی تشریح و تاویل دریافت کیا کرتے تھے اور وہ میری پیش کردہ توضیح و تاویل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پورے قرآنِ حکیم کی تفسیر لکھنے کی درخواست کی۔ سو میں نے ان کی اس خواہش کو لائق احترام گردانا اور اس مقصد کے لیے حجاز مقدس کے پرسکون گوشے کو منتخب کیا۔ مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد وہاں کے امیر حمزہ بن وہاس نے اس ارادے کو مزید تقویت بخشی[۲۰] مقدمۂ تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کا ارادہ طویل تر تفسیر لکھنے کا تھا لیکن لوگوں میں علمی ذوق کی کمی کی وجہ سے اسے مختصر کر دیا۔[۲۱]

مصادر تفسیر

زمخشری نے قرآنِ حکیم کی تفسیر کے دوران قدیم معتزلی تفاسیر، مثلاً تفسیر الزجاج (م ۳۱۱ھ) اور تفسیر رمانی (م ۳۸۴ھ) پر بہت اعتماد کیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر فرقوں مثلاً خوارج، صوفیا اور فرقہ مشبہ کی تفاسیر کو بھی قابلِ اعتنا گردانا ہے۔ وہ تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام ابوجعفر صادق کی روایات کو کثرت سے درج کرتے ہیں۔

مصادرِ حدیث میں سے ان کی تفسیر میں صرف "صحیح مسلم" کا ذکر ملتا ہے لیکن تفسیر پڑھنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے حدیث کے دیگر مجموعوں کی طرف بھی رجوع کیا ہے۔

قرارت کی بحث کے دوران مختلف قرا اور مختلف علاقوں کے صحیفے ان کے سامنے آئے۔ لغت و نحو اور ادب میں متقدمین کی مشہور کتابیں مثلاً ابن السکین (م ۲۲۴ھ) کی اصلاح المنطق، مبرد (م ۲۸۵ھ) کی الکامل اور جاحظ کی الحیوان وغیرہ کو قابلِ التفات قرار دیا ہے۔

۱۸۔ مقدمہ ابن خلدون، ۴۴، ۵۵۳
۱۹۔ ایضاً، ص ع۔ قاہرہ
۲۰۔ مقدمہ تفسیر الکشاف، ص ع
۲۱۔ ایضاً، ص ع

طریقۂ تفسیر اور خصوصیات تفسیر

تفسیر میں زمخشری کی شخصیت کے متعدد پہلو نمایاں ہوتے ہیں لیکن بالعموم ان سب پر اعتزال غالب ہے۔ عقل کا مقام ان کے ہاں بڑا ارفع ہے حتیٰ کہ سنت، اجماع، قیاس پر بھی حاوی ہے۔ لہٰذا عموماً آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کے لیے عقل ہی سے کام لیتے ہیں نیز جہاں گنجائش ہو معتزلہ کے پانچ بنیادی اصول (۱) توحید (۲) عدل (۳) وعد و وعید (۴) منزلۃ بین المنزلتین (۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مطابق آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ وہ قرآن کے ظاہری معنی کو متضمن نہیں ہوتے بلکہ تعقل و تدبر کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن عقل ہر قدم پر ان کا ساتھ نہیں دیتی لہٰذا بعض آیات کی تاویل میں بڑے بے بس نظر آتے ہیں[۲۲] جب وہ کسی ایسی آیت کی تاویل کرتے ہیں جس کا مضمون ان کی خواہشات و اہواء کے خلاف ہو تو اس کے ظاہری معنی سے ہٹ کر ایسی دُور از کار تاویلیں کرتے ہیں جو انھیں جادۂ اعتدال سے دُور لے جاتی ہیں[۲۳]

بعض وقت وہ اولیاء اللہ پر طعن کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کے قلم سے ایسی باتیں بھی صادر ہوتی ہیں جو انبیاء کے ادب اور ان کی رفعتِ شان کے منافی ہیں[۲۴]

وہ اپنے عقیدے میں اتنے متشدد ہیں کہ بعض اوقات ان احادیثِ صحیحہ کو جو ان کے عقیدہ سے متصادم ہوں رد کر دیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں ضعیف احادیث سے جو ان کے مذہب کی تائید میں ہوں استدلال کرتے ہیں[۲۵]

بعض مقامات پر وہ لغت کو بھی اپنے عقیدۂ اعتزال کی تائید کے لیے استعمال کرتے ہیں اور الفاظ کے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو عرفِ عام سے ہم آہنگ نہیں ہوتے ہیں اور اہلِ عرب ان سے مانوس نہیں۔

زمخشری سحر، وجودِ جنات اور کراماتِ اولیاء کے قائل نہیں۔ وہ ان تمام چیزوں کو خلافِ عقل قرار دیتے ہیں۔ عقیدۂ سحر کی وجہ سے اہلِ سنت کا تمسخر اڑاتے ہیں[۲۶] اور قرآن و سنت سے ثابت شدہ

---

۲۲ الکشاف، ۳: ۲۸۸ قاہرہ ۱۹۴۶ء ۲۳ کشف الظنون، ۲: ۱۴۸۳

۲۴ الکشاف، ۱: ۳۹۶-۴۴۴ ۲۵ ایضاً، ۱: ۳۰۳ ۲۶ ایضاً، ۴: ۸۲۱

ت تق کو بڑی دیدہ دلیری سے رد کر دیتے ہیں، کبھی ان کو اپنے مسلک کے مطابق ڈھال لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ زمخشری کی اس بے باکی پہ ابن المنیر بڑی حیرت کا اظہار کرتے ہیں[27]

زمخشری کو علم معانی و بیان میں کامل دسترس حاصل تھی۔ اپنے عقیدۂ اعتزال کی تائید کے لیے وہ ان دونوں علوم کو استعمال کرتے ہیں۔ جب کسی آیت کا مضمون ان کے مذہب و مسلک کے مطابق ہو تو اس آیت کو محکم قرار دیتے ہیں اور جب نص اس کے خلاف ہو تو ایسی آیات کو متشابہ قرار دیتے ہیں اور متشابہ کو محکم پر ترجیح دینے کا مشورہ بھی دیتے ہیں[28]

اسی طرح جب آیت کے ظاہری معنی ان کے مسلک کی تائید نہیں کرتے تو وہ اسے مجاز کے قبیل سے قرار دیتے ہیں ؛ ولاینظر الیھم یوم القیامۃ۔ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اہانت اور غصے سے تعبیر ہے[29]

عقیدۂ اعتزال کی تائید میں اسلوبِ تخیل و تمثیل سے بھی پوری مدد لیتے ہیں۔ جیسا کہ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون کی تاویل سے ظاہر ہے[30]

زمخشری اپنے عقیدۂ اعتزال میں اتنے متشدد ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنی تفسیر سے اس عقیدہ کی تشہیر اور مخالفین کی تردید کا کام لیتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ اپنے عقیدہ اور مذہب کو عین اسلام سمجھتے ہیں اور اہلِ سنت کے لیے بڑے رکیک اور سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں[31]

وہ قرآن کی ان آیات کو جن میں کفار کا ذکر ہے اہلِ سنت کی طرف پھیر دیتے ہیں ؛ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم البینات[32] کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کا اطلاق امت کے ان بدعتی لوگوں پر بھی ہوتا ہے جن کا تعلق "حشویہ" اور "مشبہ" فرقے سے ہے[33] اہلِ سنت کے خلاف ان کا یہ تعصب

---

[27] الانتصاف حاشیۃ علی الکشاف : ابن المنیر۔ ۲ : ۵۶۸

[28] الکشاف، ۲ : ۵۴ - ۴ : ۶۶۲ [29] ایضاً، ۱ : ۳۷۶

[30] ایضاً، ۴ : ۷۲۲ [31] کشف الظنون، ۲ : ۱۴۸۴

[32] الکشاف، ۱ : ۳۹۹ [33] ایضاً، ۱ : ۳۹۹

اتنی شدت اختیار کر جاتا ہے کہ وہ انھیں دینِ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں: شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو[۳۴] کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت میں مذکور علما سے مراد علمائے عدل و توحید (معتزلہ) ہیں اور دینِ اسلام عدل و توحید سے مرکب ہے اور یہی اصل دین ہے اور اللہ کو یہی دین پسند ہے۔ نیز اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص تشبیہ و تجسیم اور رؤیت الٰہی کا عقیدہ رکھتا ہے وہ دینِ اسلام سے خارج ہے۔[۳۵]

زمخشری اپنی تفسیر میں بطور ایک سلفی مفسر کے بھی نظر آتے ہیں لیکن یہ پہلو بالعموم ان آیات کی تشریح و تاویل کے موقع پر سامنے آتا ہے جن کا تعلق عقیدے سے نہ ہو۔ بعض مقامات پر زمخشری آیت کی تشریح کے ضمن میں اسباب نزول کا ذکر کرتے اور ناسخ و منسوخ سے بھی بحث کرتے ہیں۔[۳۶]

وہ قرآن کی تفسیر قرآن اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کرتے نظر آتے ہیں اور وہ اس آیت کی تشریح میں ان تمام روایات کا ذکر کرتے ہیں جس سے ان کے عقیدہ کو زک نہ پہنچتی ہو۔ مثلاً: یا ایھا الذین امنوا اتقوا[۳۷] کی تشریح کے لیے وہ آیت و للہ علی الناس[۳۸] سے مدد لیتے ہیں اور کہتے ہیں تارکین زکوٰۃ اور حج کو کافر کہا گیا ہے کیونکہ فریضۂ زکوٰۃ اور حج کا ترک کرنا کفار کے خصائل میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے: ویل للمشرکین الذین[۳۹]... ان دونوں آیات میں لفظ "کفر" شدت اور سختی پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔[۴۰]

قرآن کی تشریح سنتِ رسول اللہ، اجماع اور قیاس سے بھی کرتے ہیں۔[۴۱]

زمخشری نے اپنی تفسیر میں تاویل و تشریح کے لیے اسرائیلیات پر بھی اعتماد کیا ہے۔ لہٰذا وہ ان تمام قصص و روایات کو جو ان کے عقیدۂ اعتزال یا عصمتِ انبیا کے منافی نہ ہوں بغیر کسی نقد و

---

[۳۴] آل عمران: ۱۸
[۳۵] الکشاف، ۱: ۳۵۴
[۳۶] ایضاً، ۱: ۲۴۴ — ۲: ۶۳۴
[۳۷] البقرہ: ۲۵۴ —
[۳۸] آل عمران: ۳۰
[۳۹] حم السجدہ: ۶
[۴۰] الکشاف، ۱: ۲۹۹، ۳۹۰
[۴۱] ایضاً، ۲: ۶۲۸

تبصرہ کے بیان کر دیتے ہیں۔ اسرائیلیات کے ضمن میں ان کا یہ موقف بعض متقدمین معتزلی مفسرین[۴۲] اور خود تفسیر میں ان کے اختیار کردہ عقلی طریقہ سے ہٹا ہوا نظر آتا ہے: ان آیۃ ملکہ...[۴۳] کی تفسیر کے ضمن میں جو روایت بیان کی ہے[۴۴] اس کے بارے میں علامہ ابن کثیر اور علامہ آلوسی نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ غیر صحیح ہے[۴۵] اسی طرح وقطعناهم اثنتی عشرۃ اسباطا امما...[۴۶] کی تفسیر میں بعض ایسی روایات کا ذکر کرتے ہیں جو من گھڑت ہیں[۴۷] علامہ آلوسی نے ان روایات کی اسناد کو بھی غیر معتبر کہا ہے[۴۸] بعض ایسی روایات جن سے عصمتِ انبیا پر حرف آتا ہے ان کو بیان کرنے کے بعد رَد بھی کرتے ہیں۔ ولقد فتنا سلیمان ...[۴۹] کے ضمن میں قصص بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ علما نے ان روایات کو رَد کیا ہے۔ دراصل یہ روایات یہود کی گھڑی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ولقد همت به وهم بها[۵۰] کی تفسیر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ارادۂ ارتکاب بدفعلی (العیاذ باللہ) کے ضمن میں اسرائیلی روایات کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ غلط باتیں ہیں[۵۱] آگے کہتے ہیں کہ اگر یوسف علیہ السلام سے اس لغزش کا ارتکاب ہوا ہوتا تو حضرت آدم کی طرح ان کی توبہ و استغفار کا ذکر بھی قرآن میں ضرور ہوتا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ان کی صحت کو تسلیم کرنے والے

---

[۴۲] قدیم معتزلی مفسرین نظام اور جاحظ قصص و روایات کو قبول کرنے میں بڑے تشدد سے کام لیتے تھے۔ کتاب الحیوان، ۱ : ۳۴۳ – ۴ : ۱۶۴

[۴۳] بقرہ، ۲۴۸ [۴۴] الکشاف، ۱ : ۲۹۳

[۴۵] تفسیر ابنِ کثیر، ۱ : ۳۰۱ - سہیل اکیڈیمی، لاہور۔ روح المعانی، ۲ : ۱۶۹

[۴۶] الاعراف : ۱۶۰ [۴۷] الکشاف، ۲ : ۱۶۸

[۴۸] روح المعانی، ۹ : ۸۴، ۸۵ [۴۹] ایضاً، ص ۳۴ [۵۰] یوسف، ۲۴

[۵۱] یہاں اشارہ اہلِ سنت کی طرف ہے حالانکہ بیشتر اہلِ سنت مفسرین نے ان روایات کے باطل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جن مفسرین نے ایسی روایات کو اپنی کتبِ تفسیر میں اگر جگہ دی ہے تو محض عجیب و غریب قصص بیان کرنے کے شوق میں۔ زمخشری خود دورانِ تفسیر بعض عجیب و غریب اور غیر صحیح واقعات روایات بغیر تنقید و تبصرہ کے بیان کر دیتے ہیں۔

گمراہ ہیں [۵۲]

زمخشری اپنی تفسیر میں بطور ایک فقیہ اور مجتہد کے بھی نظر آتے ہیں - وہ فقہی مسائل میں بالعموم حنفی مسلک کے پیروکار نظر آتے ہیں لیکن یہ اتباع اور پیروی تقلید کی حد تک نہیں- ایسی آیات جن کا تعلق احکام و مسائل سے ہو ان کی تشریح کرتے وقت کسی ایک مکتبِ فکر کے بیان اور موقف پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ مختلف ائمہ کا موقف مع دلائل ذکر کرتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح بھی دیتے ہیں اور بسا اوقات وہ ذاتی رائے بھی دیتے ہیں - ایسی آیات کی تفسیر کے وقت تفصیل اور اختصار دونوں سے کام لیتے ہیں [۵۳]

تفسیر الکشاف پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمخشری عالم قرات بھی تھے اور مختلف صحابہ کرامؓ اور مختلف امصار و بلاد کے مصحف پر ان کی نظر تھی اور وہ اس علم کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے - دورانِ تفسیر بھی قاری پر اس علم کی اہمیت واضح کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس طرح قراءت کا اختلاف لفظ کے معانی پر اثر انداز ہو سکتا ہے [۵۴]

زمخشری اپنی تفسیر میں ایک روحانی بزرگ اور صوفی کی شکل میں بھی نظر آتے ہیں - ان کا عقیدہ ہے کہ انسان کی دینی و دنیوی زندگی کے ساتھ قرآن کا ربط بڑا گہرا ہے اور وہ اس کے ہر پہلو پر حاوی ہے - مختلف واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح کرتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اور سنت خیر الانام صرف روحانی بالیدگی کے لیے ہی تریاق کا حکم نہیں رکھتے بلکہ اس میں جسمانی علاج کا موثر علاج بھی موجود ہے [۵۵]

دورانِ تفسیر وہ بعض اجتماعی برائیوں کا بالخصوص امرو اغنیا کے فخر و مباہات اور بخل و کنجوسی کا ذکر بھی کرتے ہیں [۵۶] وہ آداب استیذان سے اعراض کرنے والوں پر بھی تنقید کرتے ہیں [۵۷] وہ ان نام نہاد مسلمانوں کو بھی معاف نہیں کرتے جو امرا و سلاطین کو تو بیش قیمت تحائف دیتے ہیں لیکن جب کسی غریب کو دینے کا موقع آتا ہے تو یہ بخل اور کنجوسی کا مظاہرہ کرتے اور نہایت حقیر چیز

---

۵۲ الکشاف، ۲ : ۴۵۷

۵۳ ایضاً، ۱ : ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۱۵

۵۴ ایضاً، ۲ : ۵۹۵، ۵۹۶ — ۳ : ۸۴

۵۵ ایضاً، ۱ : ۱۰۰، ۱۰۱

۵۶ ایضاً، ۱ : ۴۲۱، ۴۲۲

۵۷ ایضاً، ۲ : ۲۲۶

ان کو دیتے ہیں[۵۸] وہ ان قضاۃ پر بھی کڑی تنقید کرتے ہیں جو جاہ و منصب اور دولت کی خاطر انصاف کے اصولوں کو پامال کرتے ہیں[۵۹]

زمخشری اپنی تفسیر میں لغت کے عالم بھی نظر آتے ہیں۔ وہ قرآنِ حکیم کے الفاظ کی عربی میں مانوس و مروج توضیح و تشریح پیش کرتے ہیں۔ غریب اور مشکل الفاظ کے معانی مروجہ کو سمجھنے کے لیے وہ عرب کے صحراؤں میں گھومے پھرے۔ بعض آیات کی تشریح میں اشعارِ عرب سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ اشعار کے انتخاب میں بڑے محتاط نظر آتے ہیں اور صرف وہ اشعار بیان کرتے ہیں جن میں معصیت کا پہلو نہ ہو۔ وہ جدید شعرا سے بھی استشہاد کرتے اور اس کا دائرہ ابو تمام تک وسیع کر دیتے ہیں۔ وہ مترادف المعنی الفاظ کے درمیان دقیق معنوی فرق کو بڑی عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً "ضو" اور "نور" "نصب" اور "لغوب" جو بظاہر مترادف المعنی ہیں لیکن ان کے درمیان ایک فرق ہے، وہ اس فرق کو یہاں بیان کرتے ہیں[۶۰]

آیت کی تشریح کے دوران اس کے نحوی پہلوؤں پر بھی گفتگو کرتے ہیں اور اس کے فنی و جمالیاتی پہلو کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زمخشری اپنی روح و احساسات کے ساتھ نصِ قرآنی میں اس طرح جذب ہو جاتے ہیں کہ جب وہ باہر نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باطن سے بھی واقف ہیں۔ زمخشری قرآن کے حسن، نظم و ترتیب اور اعجاز پر بڑی مدلل اور رواں گفتگو کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں قرآن کے جمال اور اس کے حسن نسق و ترتیب کا پورا احساس ہے لیکن اس جمالی حس پر دینی احساس و جذبہ ہر جگہ غالب نظر آتا ہے۔

زمخشری کے عقیدۂ اعتزال سے اگر صرفِ نظر کی جائے تو ان کی تفسیر اپنی نوعیت کی ایسی واحد اور بے نظیر تفسیر ہے جس سے بعد میں آنے والے مفسرین نے استفادہ کیا ہے اور جس کی بنا وہ مشرق و مغرب ہر جگہ مقبول ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار ان کی تفسیر کے فنی محاسن اور اعجازِ قرآن پر مباحث کی تعریف کرتا ہے[۶۱]

---

[۵۸] الکشاف، ۲ : ۶۱۴   [۵۹] ایضاً، ۲، ۳۹۸ - ۳۹۹

[۶۰] ایضاً، ۱ : ۳۷، ۳ : ۶۱۳   [۶۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ۴ : ۱۲۰۵

الکشاف کی مقبولیت کا اندازہ اس کی شروح و حواشی، تعلیقات اور مختصرات سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس کا آغاز ساتویں صدی ہجری میں ہوا اور آج بھی جاری ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشاف کے شروح و حواشی کی ایک طویل فہرست دی ہے[۶۲] جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ الانتصاف کے مؤلف ابن المنیر الاسکندری م ۶۸۳ھ ہیں۔

۲۔ فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب مؤلفہ شرف الدین طیبی م ۷۴۳ھ

۳۔ الکشاف علی الکشاف مؤلفہ سراج الدین بلقینی م ۸۰۵ھ

علی الطوسی م ۵۶۱ھ اور عبدالاول م ۹۵۰ھ نے اس کے اختصار لکھے۔ بعض اہلِ علم نے الکشاف میں مذکور احادیث کی تخریج بھی کی جن میں مشہور جمال الدین عبداللہ الزیلعی الحنفی م ۷۶۲ھ ہیں۔

۶۲۔ کشف الظنون ۲/ ۱۴۷۷ - ۱۴۸۲

تہافۃ الفلاسفہ

تلخیص و تفہیم : مولانا محمد حنیف ندوی

امام غزالی کی مشہور کتاب تہافۃ الفلاسفہ اور اس کے جواب میں ابنِ رشد کی تہافۃ التہافہ کو اسلامی عقائد و افکار میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ مولانا ندوی نے ایک تو تہافۃ الفلاسفہ کی اس تلخیص و تفہیم میں غزالیؒ کے تنقیدی شاہکار و افکار کو شگفتہ اور رواں دواں اردو میں پیش کیا ہے، دوسرے ایک طویل مقدمہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں غزالی اور ابنِ رشد کے خیالات و افکار کا اچھا خاصا محاکمہ کیا گیا ہے۔ اسلامی فلسفہ کے موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔

صفحات : ۲۲۸ قیمت : ۱۵/= روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور